24

اپنی پیدائش کی اصل غرض کو سمجھو
اور اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرو

(فرمودہ 12/اکتوبر 1951ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں بعض چیزیں اصلی اور حقیقی ہوتی ہیں اور بعض صرف تابع اور خادم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اصلی اور حقیقی چیزوں کو اپنے سامنے رکھنا اور تابع حیثیت رکھنے والی چیزوں کو اپنا اصل مقصود قرار نہ دینا ایک مومن کی علامت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اس اصل کو اپنے سامنے رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اَور لوگ اپنی عملی زندگی میں حقیقی اہمیت رکھنے والی چیزوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور تابع حیثیت رکھنے والی چیزوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ دنیا خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا اپنا اصل مقصد قرار دیتے مگر وہ خدا تعالیٰ سے تو تعلق پیدا نہیں کرتے اور دنیا کے حصول کے لیے جو ایک مادی چیز ہے ہر وقت جِدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ زمین سے سونا نکالے یا زمین سے چاندی نکالے یا زمین سے ہیرے جواہرات نکالے اور پھر اسی کام میں منہمک ہو جائے

بلکہ اسے اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے تعلق پیدا کرے اور تمام چیزوں کو اپنا خادم سمجھے۔ مگر باوجود اِس کے کہ دنیا انسان کے لیے خادم کی حیثیت رکھتی ہے اور اصل چیز خداتعالیٰ کا وجود ہے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اپنی تمام عمر اس کے حصول کے لیے صَرف کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اُن کا اِس دنیا میں بھیجا جانا کسی خاص مقصد کے ماتحت تھا اور یہ دنیا محض ان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ پھر جس دنیا کے حصول کے لیے وہ رات دن کوشاں رہتے ہیں وہ اپنی ذات میں اتنی بڑی ہے کہ ساری عمر کی تگ و دَو کے باوجود بھی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اُس پر حاوی ہو چکا ہے۔

یہ میرے ہوش کے زمانہ کی بات ہے کہ سائنسدانوں نے کہا کہ وسعتِ عالَم کا اندازہ چھ ہزار سالوں کے برابر ہے۔ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ اَسّی ہزار میل ہوتی ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ ایک لاکھ اَسّی ہزار کو ساٹھ سے ضرب دی جائے تاکہ ایک منٹ کی رفتار کا اندازہ ہو سکے۔ پھر حاصلِ جواب کو دوبارہ ساٹھ سے ضرب دی جائے تاکہ ایک گھنٹہ کی رفتار کا اندازہ ہو سکے۔ پھر چوبیس سے ضرب دی جائے تاکہ ایک دن کی رفتار کا اندازہ ہو سکے اور پھر حاصلِ جواب کو چھ ہزار سے ضرب دی جائے تب اِس عالَم کی وسعت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اِس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ہماری یہ دنیا تمام عالَم کے مقابلہ میں اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی جتنی ہماری دنیا کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کی حیثیت ہوتی ہے۔ لیکن اب نئی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ وسعتِ عالَم کا یہ اندازہ کہ وہ روشنی کے ہزار سالوں کے برابر ہے بالکل غلط ہے۔ وُسعتِ عالَم روشنی کے چھتّیس ہزار سالوں کے برابر ہے۔ گویا پہلے اندازہ سے چھ گُنا زیادہ ہو گیا۔ پھر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دنیا پھیلتی چلی جارہی ہے اور آخر ایک دن پھیلتے پھیلتے تباہ ہو جائے گی۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا پھیلنے کے بعد پھر سمٹے گی اور سمٹ کر تباہ ہو جائے گی۔ گویا کوئی تو قیامت کو اِس کے پھیلاؤ کے ساتھ وابستہ قرار دیتا ہے اور کوئی اس کے سمٹنے کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔

غرض یہ دنیا جو اِتنی وسیع ہے ہمیں سوچنا چاہیے کہ خداتعالیٰ نے اس میں انسان کو کیوں پیدا کیا ہے؟ پھر انسان کو جو طاقت حاصل ہے، جس طرح کی معلومات اسے حاصل ہیں، مادہ کی جو کیفیتیں اسے معلوم ہیں، علمِ سائنس، علمِ کیمیا، علم طبقات الارض اور باقی علوم کو جس رنگ میں وہ حاصل کر رہا ہے اُن کی بناء پر خود بھی اپنے آپ کو دنیا کا حاکم سمجھتا ہے بلکہ اب تو انسان اِس کوشش میں ہے

کہ چاند تک چلا جائے۔ گویا انسان منہ سے تو نہیں لیکن اپنے عمل سے یہ ضرور کہتا ہے کہ وہ ساری کائنات پر حکمران ہے۔ پس ہمیں سوچنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ جیسی ہستی نے اتنا بڑا انسان کیوں پیدا کیا؟ ایک طرف تو انسان عالَم کی وسعت کا اندازہ لگا کر حیران ہوتا ہے اور دوسری طرف اُس کے اپنے اندر جو اُمنگیں اور ارادے اور حوصلے ہیں وہ اتنے بڑے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل وجود وہی ہے اور باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔ وہ صرف اس کے علم کو زیادہ کرنے اور اسے آرام پہنچانے کے لیے ہیں۔ اور قرآن کریم میں بھی یہی لکھا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ 1 پس جب یہ تمام دنیا انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کیا خدا تعالیٰ نے ہمیں صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم زمین سے چاندی نکالیں یا سونا نکالیں یا لوہا نکالیں یا دوسری دھاتیں جو اَب ستانوے قرار دی جاتی ہیں زمین سے نکالیں؟ یہ چیزیں تو پہلے سے ہی موجود تھیں۔ پھر خدا تعالیٰ نے اِس دنیا میں انسان کو کیوں پیدا کیا؟ ایک ہی چیز ہے جو سمجھ میں آ سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے تا وہ اُس کے جلال اور جمال کو محسوس کرے۔ لیکن یہ چیز ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اِس لیے پیدا کیا ہو کہ ہم زمین سے لوہا نکالیں۔ لوہا تو خدا تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اُس کے لیے آسائش یا غفلت کا سامان تو ہوسکتا ہے لیکن اس کی وجہِ پیدائش نہیں ہوسکتی۔ انسان کی وجہِ پیدائش یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرے۔

چنانچہ جب بھی کوئی رسول دنیا میں آتا ہے اس کے آنے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے۔ جو مذاہب دنیا سے قریباً مٹ چکے ہیں اُن کے متعلق بھی جہاں تک تاریخ سے مدد ملتی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے پر زور دیا۔ اور جو مذاہب موجود ہیں اور اُن کا بھی یہ دعوٰی ہے اور اسلام بھی اِسی مقصد کے لیے دنیا میں آیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس کے ماننے والوں میں آہستہ آہستہ کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہونی شروع ہوگئیں اور وہ خدا تعالیٰ سے منقطع ہوگئے۔ لیکن ایک ایسی جماعت جو اِس بات کی مدعی ہے کہ وہ لوگوں کی غفلتوں کو دور کرنے اور روحانیت کو دنیا میں نئے سرے سے قائم کرنے کے لیے کھڑی ہوئی ہے۔ اگر اس کے افراد بھی اپنی پیدائش کی غرض کو نہ سمجھیں تو یہ کیسی افسوس کی بات ہوگی۔ اگر انسان کے اندر کوئی ایسی چیز

نہ ہوتی جواُسے یہ نکتہ سمجھا سکے اور غفلت کرنے والوں کو اس طرف متوجہ کر سکے تو انسان کہہ سکتا تھا کہ مجھ پر حجت پوری نہیں ہوئی۔ اگر ان مذاہب میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمانہ میں آئے یہ بات نہ ہوتی تو اُن کے تابعین اس غفلت کی سزا سے بچ سکتے تھے۔ اگر قرآن کریم میں یہ بات بیان نہ ہوتی تو مسلمانوں پر حجت پوری نہ ہوتی۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے اِس چیز کو اِتنا عام کیا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے اندر بھی یہ مادہ موجود ہے کہ وہ اِس نکتہ کو سمجھ سکے تو پھر ان لوگوں کی کیا حالت ہو گی جن کے پاس تازہ وحی اور الہامات موجود ہیں۔ جن میں قریب ترین عرصہ میں خدا تعالیٰ کا ایک مامور مبعوث ہوا۔ وہ اِس نکتہ کو کیوں نہیں سمجھ سکتے کہ اُن کی پیدائش کا اصل مقصد کیا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں میں سوچنے کی عادت نہیں۔ اور اگر سوچیں گے تو یہ کہ اُن کے پاس کیا کیا ڈگریاں ہونی چاہییں جن سے وہ دنیا میں ترقی حاصل کر سکیں۔ حالانکہ اصل چیز یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کریں اور اُس سے دعائیں کریں باقی سب چیزیں تابع ہیں۔ باپ کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ بیٹے کا ہوتا ہے۔ اِسی طرح جو خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے ساری کائنات اُس کی ہو جاتی ہے۔

ہماری جماعت کے نوجوانوں کی توجہ چونکہ اِس طرف کم ہے اس لیے میں نے آج اِس موضوع پر خطبہ پڑھا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نوجوانوں کی توجہ نمازوں اور دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کی طرف کم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی دنیوی کوششیں دعاؤں اور نمازوں اور ذکرِ الٰہی سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ان کے نزدیک دس ہزار روپے کمانا اِس سے زیادہ بہتر ہے کہ غریب آدمی رات کے اندھیرے میں خدا تعالیٰ کے سامنے گر گر کر دعائیں مانگے حالانکہ دعا اتنی قیمتی چیز ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں کر سکتی۔ قریب زمانہ میں ہٹلر اور مسولینی گزرے ہیں۔ ان کے پاس کتنی طاقت تھی؟ پچھلی جنگ کے زمانے میں جو لوگ یہ کہتے تھے کہ انگریز ہٹلر اور مسولینی کو شکست دے دیں گے لوگ اُن پر ہنستے تھے لیکن اب وہ کہاں ہیں؟ نپولین کتنا طاقتور تھا لیکن اب وہ کہاں ہے؟ زار کے متعلق جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ؎

زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار [2]

اُس وقت اِس کی طاقت کا اندازہ لگانا بھی مشکل تھا۔ تم یورپ کی تاریخیں پڑھ کر دیکھ لو تمام

تاریخیں یہی کہتی ہیں کہ زار کی طاقت 1901ء سے بڑھنی شروع ہوگئی تھی اور اِس قسم کے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ یورپین طاقتیں اِس کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئی تھیں۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا

؎ زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار

اور پھر زار کا جو حالِ زار ہوا وہ دنیا سے پوشیدہ نہیں۔

پس واقعات بتاتے ہیں کہ دنیا کی طاقتیں کچھ چیز نہیں اصل چیز خدا تعالیٰ کی مدد اور نُصرت ہے اور اُس کی مدد اور نصرت دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں کی اِس طرف کم توجہ ہے۔ لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ تم دنیوی کام چھوڑ دو اور صرف ذکرِ الٰہی اور دعاؤں میں لگ جاؤ۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تم دنیوی کام بیشک کرو لیکن تمہارا اصل مقصد خدا تعالیٰ کی ذات ہونی چاہیے اور دعائیں اور ذکرِ الٰہی تمہارا اصل کام ہونا چاہیے۔ جو شخص دعائیں کرتا اور ذکرِ الٰہی سے کام لیتا ہے اس کی قوتِ عملیہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں سے زیادہ کام کرتا ہے۔ دنیا میں بعض ایسے کمانڈر بھی گزرے ہیں جنہوں نے لیٹ کر کمانیں کی ہیں اور اپنے دشمن پر غالب ہوئے ہیں کیونکہ گو اُن کے ہاتھ پاؤں نہیں ہلتے تھے مگر قوتِ عملیہ اُن کے اندر موجود تھی اور کامیابی کے لیے اِسی قوت کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ جو شخص ذکرِ الٰہی اور دعاؤں کا عادی ہوتا ہے وہ دنیوی کاموں میں سُست ہو جاتا ہے۔ وہ سُست نہیں ہوتا بلکہ دوسروں سے زیادہ چُست ہوتا ہے اور اس کی طاقت بڑھ جاتی ہے کیونکہ آسمانی انوار سے اُس کی تائید ہو رہی ہوتی ہے۔

مجھے اپنے بچپن کی ایک بیوقوفی پر ہنسی آتی ہے۔ جب میری عمر گیارہ بارہ سال کی تھی اُس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کوئی سوال پوچھتا تو میرا دل دھڑکنے لگتا کہ نہ معلوم آپ اُس کے سوال کا جواب بھی دے سکتے ہیں یا نہیں۔ لیکن جب آپ اُس کے سوال کا جواب دیتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آسمان سے نور نازل ہو رہا ہے اور علوم کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ حضرت خلیفہ اوّل بھی بے اختیار کہہ اٹھتے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے جب آتھم سے مباحثہ ہوا اور وہ لمبا

ہو گیا تو کسی شخص نے مجھ سے کہا کہ بات تو چھوٹی سی تھی مگر مباحثہ بہت لمبا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا حضرت مرزا صاحب چاہتے تو آدھ گھنٹہ میں مباحثہ ختم کر دیتے لیکن اِس طرح اسلام کے وہ کمالات اور قرآن کریم کے وہ حقائق اور معارف ظاہر نہ ہوتے جو اَب ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ سنایا کرتے تھے کہ جب آتھم کے ساتھ مباحثہ ہوا تو دورانِ مباحثہ میں پادریوں نے کچھ لُولے، لنگڑے اور اندھے خفیہ طور پر اکٹھے کر لیے اور پھر آتھم نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسیح ناصری کے متعلق آتا ہے کہ وہ اندھوں کو آنکھیں دیتے، کوڑھیوں کو اچھا کرتے اور لُولے لنگڑوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ آپ کا بھی مسیح ناصری کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہے اس لیے آئیے اور معجزہ دکھایئے۔ اندھے اور لُولے، لنگڑے یہاں موجود ہیں۔ آپ ان کو اچھا کر کے دکھا دیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اُس وقت حیران تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس کا کیا جواب دیں گے۔ مگر جب آپؑ کی باری آئی تو آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا کہ میرا یہ عقیدہ نہیں کہ حضرت مسیح ناصریؑ ظاہری اندھوں اور ظاہری لُولے لنگڑوں یا ظاہری کوڑھیوں کو اچھا کیا کرتے تھے بلکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب معجزات روحانی رنگ میں ظاہر ہوتے تھے۔ یعنی آپ روحانی کوڑھیوں اور روحانی اندھوں اور روحانی بہروں کو اچھا کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جسمانی اندھوں اور جسمانی لولوں لنگڑوں کو آنکھیں اور ہاتھ پاؤں دیتے تھے اور ظاہری کوڑھیوں کو اچھا کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف انجیل میں وہیں حضرت مسیح ناصری کا یہ قول نظر آتا ہے کہ اگر تم میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا تو جیسے معجزات مجھ سے ظاہر ہوئے ہیں ویسے ہی معجزات تم بھی دکھا سکتے ہو۔3 انجیل کے اِس معیار کے مطابق ہم نے یہ آزمائش کرنی تھی کہ آیا آپ لوگوں میں اتنا ایمان بھی موجود ہے یا نہیں؟ سو ہم آپ کے بہت ممنون ہیں کہ آپ اندھے، لُولے، لنگڑے اکٹھے کر کے لے آئے ہیں۔ اگر آپ لوگوں میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو آیئے اور حضرت مسیح ناصریؑ کی سنت پر ان اندھوں اور لنگڑوں وغیرہ کو اچھا کر دیجیے۔ آپ نے جب یہ جواب دیا تو عیسائی اُن اندھوں اور لُولوں لنگڑوں کو کھینچ کھینچ کر باہر لے گئے اور جب آپ کی تقریر ختم ہوئی تو وہ سب غائب تھے۔

پس حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار اُسی شخص کو ملتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ پس میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ روحانیت کی طرف توجہ کریں اور سمجھ لیں

کہ اُس وقت تک کوئی حقیقی ترقی نہیں ہو سکتی جب تک انسان خدا تعالیٰ کا نہ ہو جائے۔تم خدا تعالیٰ کا مقرب بننے کی کوشش کرو تا وہ تمہارا ہو جائے اور یہ بات یاد رکھو کہ جب وہ تمہارا ہو جائے گا تو پھر کوئی چیز تمہاری ترقی کے راستہ میں روک نہیں بن سکے گی''۔ (الفضل 20 جون 1962ء)

1: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (لقمان:21)

2: درثمین اُردو۔ زیرِ عنوان ''مناجات اور تبلیغِ حق''۔ صفحہ 144 مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی 1962ء

3: متی باب 17 آیات 14 تا 21 (مفہوماً)